جموں وکشمیر اور اردو افسانے کے شارحین

ڈاکٹر فیاض احمد ڈار

اوڑی بارہمولہ

ریاست جموں وکشمیر کے اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں کشمیر کی تاریخ، تہذیب، رہن سہن، آپسی بھائی چارہ، غربت، بے روزگاری، شادی بیاہ کے مسائل اور دوسرے بیسوں چیزوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان چیزوں کو افسانوں میں سمیٹنا ہی کشمیر کی ترجمانی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے افسانوں میں یہاں کے آبشاروں، زعفران زاروں، بہتے دریاؤں، خوبصورت بدلتے موسموں، لہراتے مرغزاروں، فلک بوس پہاڑوں اور صحت افزاء مقامات کی ہو بہو عکاسی ملتی ہے۔ ان میں یہاں کے لوگوں کا درد و کرب جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان میں جہاں دلکش مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں وہیں ان میں مفلوک الحال اور ستم زدہ لوگوں کی داستانوں کی کمی بھی نہیں ہیں۔ افسانہ نگاروں نے کشمیر کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشی و تہذیبی حالات کی بخوبی ترجمانی کی ہے۔ یہاں کا بھائی چارہ، ہندو مسلم اتحاد، مہمان نوازی، انسان دوستی اور حب الوطنی کے موضوعات اردو افسانے میں کثرت سے ملتے ہیں۔ چنانچہ جموں وکشمیر میں مشترکہ تہذیب پائی جاتی ہے۔ یہاں ہندو مسلم، سکھ اور عیسائی مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ لوگ طرح طرح کی زبانیں بولتے ہیں اور ایک دوسرے کے کلچر میں بھی تفاوت پائی جاتی ہے۔ افسانہ نگاروں نے یہاں کی مشترکہ تہذیب کے کئی پہلوں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جن افسانہ نگاروں نے اپنی تحریر کو ریاست جموں وکشمیر کی ترجمانی کے لیے مخصوص رکھا ہے، ان شارحین میں پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در، کرشن چندر، پروفیسر حامدی کشمیری اور پروفیسر عبدالرشید خان وغیرہ شامل ہیں۔

پریم ناتھ پردیسی۔

پریم ناتھ پردیسی 1909 میں فتح کدل سرینگر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت کشمیر میں

ہوئی۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1947ء تک محکمہ کسٹمز سے وابستہ رہے۔ بالآخر 9 جنوری 1955 کو انتقال کر گئے۔ پردیسی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز شعروشاعری سے کیا۔لیکن جہاں اردو افسانے میں ریاست جموں وکشمیر کی ترجمانی کا سوال ہے تو اس کا آغاز پریم ناتھ پردیسی کے افسانوں سے ہوا۔درحقیقت ریاست جموں وکشمیر میں افسانہ نگاری کی باضابطہ ابتدا بھی پردیسی کے افسانوں سے ہوئی ہے۔بقولِ عبدالقدر سروری۔

> ''افسانہ نگاری کا آغاز یہاں بھی، اس میں شک نہیں کہ روایتی، روحانی اور کسی حد تک رسمی انداز سے ہوا،لیکن جوں ہی ان ادیبوں کا شعور بیدار ہوا اور فن پر دسترس کا ایقان پیدا ہو گیا۔ان کی اپنی ذاتی صلاحتیں ابھرنے لگیں اور اپنی سر زمین کی حقیقی زندگی کے سماجی، معاشی، نفسیاتی اور بعض وقت سیاسی پسی منظر والے افسانے سرانجام دیئے جانے لگے۔جس سے جموں اور کشمیر کے افسانوں میں مقامی رنگ اور انفرادیت نمایاں ہونے لگی۔افسانہ نگاری میں سب سے عظیم نام جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ پنڈت پریم ناتھ پردیسی ہے''۔(۱)

اگرچہ ان سے قبل کئی افسانہ نگاروں نے افسانے تخلیق کیے،لیکن پردیسی کی تخلیقات کی انفرادیت، معنویت اور اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ ان کے افسانے تقسیم ملک سے قبل اور تقسیم ملک کے بعد بھی مشہور ومعروف رسائل وجرائد جیسے لاہور کے ہمائیوں اور ادب لطیف میں شائع ہوئے اور سراہے بھی گئے۔انہوں نے افسانہ نگاری کا آغاز ''سچی پرارتھنا'' نام کی ایک کہانی سے کیا جو جموں کے روزنامہ رنبیر''میں 1932ء کو شائع ہوئی ان کے تین افسانوی مجموعے اور ''دنیا ہماری 1940''''شام وسحر 1941''''بہتے چراغ 1955''شائع ہوئے۔

پردیسی کے افسانوں میں کشمیر کے ماحول کی عکاسی ملتی ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں میں یہاں کے لوگوں کے مسائل اور ان کی زندگی کو موضوع بنایا۔ان کے افسانوں میں ایک طرف کشمیری زندگی کی تہذیب وتمدن، جبر واستحصال، بے روزگاری، غربت وافلاس، تقسیم وطن اور سر مایہ داروں کا مفلوک الحال طبقے پر استحصال کی تصویر کشی ملتی ہے۔دوسری طرف ان میں یہاں کے رسومات، کھیت کھلیان، سر بفلک درخت جلوہ گر ہوتے ہیں۔اس کے متعلق پروفیسر سید احتشام

''بہتے چراغ'' کے اظہار خیال میں یوں رقم طراز ہیں۔

''پردیسی کو کشمیر کی زندگی، تہذیب اور روایات سے محبت تھی اور ان ہی کو وہ اپنے افسانوں میں پیش کر کے عام انسانوں کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ یہی ایک افسانہ نگار اور انسان کی حیثیت سے ان کی بڑائی ہے۔''(۲)

پریم ناتھ پردیسی نے اپنے افسانوں میں کشمیر کے مختلف مسائل مثلاً ہجرت، بے روزگاری اور استحصال کو موضوع بحث بنایا ہے۔ افسانہ ''دھول'' جہاں کشمیر کے ان عورتوں کی ترجمانی کرتا ہے جو اپنی تہذیب کی پابند ہوتی ہیں وہیں اس میں یہاں کے خوبصورت مناظر کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ مثلاً جھیل ڈل، بلیوارڈ کا حسین سڑک، پری محل، شنکراچارہ اور گگری بل ایسے نام ہیں جو فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہیں۔

وہ پری محل کی مہیب صورت پہاڑوں کے پیچھے صبح کا مسکراتا ہوا سورج دو نیزے اوپر آچکا تھا۔ اور ابھی تک اسے اپنے پپوٹوں میں آنسوؤں کی نمی کا احساس ہو رہا تھا۔

اس کے قدموں کے آگے، دل کے کشادہ پاٹ سے پرے، بیلوارڈ کی حسین سڑک پر سبزی سے بھرے ہوئے چھکڑے، شہر کی طرف دوڑ رہے تھے اور سڑک کے کنارے بنے ہوئے بنگلوں اور ہوٹلوں کے دروازوں پر ٹٹو والے گھوڑوں کی باگیں تھامے انتظار کر رہے تھے۔ ان کے افسانون میں کشمیر کی تاریخ جلوہ گر ہے۔ غرض پریم ناتھ پردیسی ریاست کے جموں وکشمیر کا ایک حساس اور ہمدرد ادیب تھے۔ وہ کشمیری عوام کے رنج وغم سمجھتے تھے جس کا احساس ان کے تینوں افسانوی مجموعوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں محبت، اخوت، آپسی بھائی چارے اور امن پسندی کا درس ملتا ہے۔ اور ان کے کردار امن پسندی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پردیسی جموں وکشمیر کا وہ افسانہ نگار ہیں جن کی کہانیوں میں کشمیر جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ بلکہ اس نے کشمیر کو اپنے اصلی رنگ وروپ میں پیش کیا۔

پریم ناتھ در

پریم ناتھ در 25 جولائی 1913ء میں کشمیر کے گرمائی دارالخلافہ سرینگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرینگر میں ہی حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور چلے گئے۔ 1977 میں

اس فانی دُنیا سے رخصت ہوئے۔ پریم ناتھ دَر پریم ناتھ پردیسی کے ہم عصر تھے۔انہوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز 1945 میں ایک کہانی بعنوان ''غلط فہمی'' سے کیا جو لاہور کے معروف رسالہ ''ادبی دنیا'' میں شائع ہوئی۔ یہ کہانی دن کے فن بھی نقط آغاز تصور کی جاتی ہے۔ مذکورہ کہانی کی فنی مہارت سے متاثر ہوکر ادبی دنیا کے مدیر اعلیٰ صلاح الدین پرویز نے کہا تھا۔

''پریم ناتھ در بہت جلد افسانوی حدود کو آگے بڑھائے گا اور فن کے پرچم ان دیکھے میدان میں گاڑے گا۔''(۳)

ان کے افسانوں کے تین مجموعے ''کاغذ کے واسدیو'' نیلی آنکھیں 1961 چناروں کے سائے میں'' شائع ہو چکے ہیں۔ان کا شمار یہاں کے صفہ اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہیں اپنے وطن سے اس قدر پیار تھا کہ بیرون ریاست میں قیام کر کے بھی کشمیریت ان کی رگ رگ میں بھی تھی۔وہ کشمیر کے چپے چپے سے آگاہی رکھتے تھے۔

پردیسی کا طرح در نے اپنے افسانوں میں بھی کشمیر کی ترجمانی کی ہے۔ان کے افسانوں میں سبحان، عزیزہ، رحمان اور رام جوایسے کردار ہیں جو کشمیری سماج کے سوا کئی اور نہیں ملتے ہیں۔اسی طرح ان کے افسانوں کے موضوعات، ماحول، پلاٹ اور مکالمہ کشمیری ہے۔علاوہ ازیں ان کی تخلیق میں کشمیری الفاظ بکثرت ملتے ہیں، البتخصوص کانگڑی اور سماوار کا ذکر اکثر ملتا ہے۔

غرض کہ پریم ناتھ دَر نے کشمیر اور کشمیریت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔حب الوطنی ، پسماندہ اور مفلوک الحال عوام سے اظہار ہمدردی ان کے افسانوں کے اہم موضوعات رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں کے قدرتی حُسن و جمال کو دیکھنے کے لیے سیاح مختلف ممالک سے آتے ہیں۔جس سے یہاں کے غریب عوام کو روزگار ملتا ہے۔اس کی عکاسی ''گیت کے چار بول'' افسانہ میں یوں ملتی ہے۔

''شہریوں کی خاطر پہاڑوں سے برف بھی جمع کرتے ہیں اور دو دو ڈھائی ڈھائی من کے بوجھ گھاس میں لپیٹے، پیٹھ پر اٹھائے شہر شرینگر میں لے آتے ہیں۔شہر کی سرحدوں پر شہری برف فروش ان کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر اس ٹوکری کو اپنی سفید پگڑی پر رکھ کر یہ برف جیسا برف فروش جھوم جھوم کر گلیوں کی طرف چل پڑتا ہے۔کشمیر کی برف تو آسمان سے آتی ہے جس میں نہ تو شیشے کی وہ کاٹتی

ہوئی چمک ہوتی ہے نہ تیزی، نہ اس میں وہ سختی ہوتی ہے کہ اسے بھی لمبی کیل اور
بٹے ہی توڑ دیں۔اس برف میں تو چاند کی نرم نرم روشنی ہوتی ہے۔''(۴)

مذکورہ افسانے کا غریب کسان اونچے پہاڑوں سے برف اپنے کندھوں پر اٹھا کر گہری سانس لیتے ہوئے شہر کے برف فروشوں کو بیچ دیتا ہے اور یہ لالچی برف فروش محنت کشوں کا میٹھی زبان میں استقبال کر کے سستے داموں میں ان سے برخرید تے ہیں۔اس کے علاوہ درمنظر کشی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ نیلی آنکھیں افسانہ میں انہوں نے جھیل ڈل کی منظر کشی اس طرح کی ہے کہ اس کی ہو بہو تصویر آنکھوں میں پھیر جاتی ہے۔

الغرض پریم ناتھ در نے اپنے افسانوں میں کشمیری سماج کے مختلف مسائل اور یہاں کے مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ان کے تمام افسانوں میں فنکارانہ بصیرت نقط عروج پر نظر آتی ہے۔ان کے افسانے نہ صرف موضوع بلکہ فنکارانہ بصیرت کے اعتبار سے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ چڑھاوا اور گیت کے چار بول ایسے دو افسانے ہیں جو قاری پر دیر پا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔

کرشن چندر:

کرشن چندر کی ولادت 23 نومبر 1913 کو بھرت پور اجستھان میں ہوئی۔ان کے والد کا نام گوری شنکر چوپڑا اور والدہ کا نام پرمیشوی دیوی تھا۔کرشن چندر کو اس وقت سرسبز شاداب وادی میں رہنے کا موقع ملا جب ان کے والد گوری شنکر ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے کے لیے پونچھ آئے۔ چنانچہ کرشن چندر اس وقت بہت چھوٹے تھے۔اس لیے وہ کشمیر کی سیاسی اقتصادی، ثقافتی اور سماجی حالت کے ساتھ ساتھ حُسن سے مالا مال وادی کے آب و ہوا سے بھی متاثر ہوئے۔کرشن چندر نے ابتدائی تعلیم مینڈھر کے ایک اسکول میں حاسل کی۔ جب کہ انہوں نے میٹرک کا امتحان وکٹوریہ جبلی اسکول پونچھ سے پاس کیا۔تعلیم کے سلسلے میں پونچھ کے قیام کے دوران ان کو یہاں کے لوگوں کا رہن سہن، طرز زندگی، سوچ وفکر اور زندگی کے مختلف مسائل کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور فن پر دست گاہ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے متذکرہ مسائل کو اپنی تحریروں میں سمیٹا۔پطرس بخاری کی سفارش پر 1939ء میں انہیں آل انڈیا ریڈیو لاہور میں ''پروگرام اسسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت ملی۔ان کا پہلا افسانہ ''یرقان'' ادبی دنیا لاہور

میں شائع ہوا۔ ان کی پہلی شادی 1940ء کو لاہور کی ودیاتی سے جب کہ ان کی دوسری شادی 7 جولائی 1962ء کو نینی تال کی سلمیٰ صدیقی سے ہوئی۔

تعلیم کے سلسلے میں پونچھ کے قیام کے دوران ان کو یہاں کے لوگوں کا رہن سہن، طرز زندگی، سوچ وفکر اور اس زندگی کے مختلف مسائل کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور فن پر دستگاہ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے متذکرہ مسائل کو اپنی تحریروں میں سمیٹا۔ ان کے افسانوں میں کشمیر کے پہاڑوں، کوہساروں سبزہ زاروں، خوبصورت چشموں، دلکش باغات اور نغمہ ریز دریاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی بیشتر کہانیوں میں خلوص کے ساتھ یہاں کے رہگزاروں، پیڑ پودوں اور پسماندہ طبقہ سے وابستہ لوگوں کو پیش کیا ہے۔ کشمیر سے محبت کا اظہار انہوں نے ''کشمیر کو سلام'' میں کیا ہے۔

> ''یہ ہے وہ کشمیر کی دھرتی میری ماں ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ماں کے قدموں میں جنت ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ کشمیر جنت بے نظیر ہے مجھے اس تک معلوم نہ ہوئی جب تک کہ مجھ اس جنت سے باہر نکالا گیا۔ شاید جنت انسان کے دل کے باہر نہیں بلکہ اندر ہی ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تب بھی مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ میرے دل کے اندر جو جنت ہے وہ کشمیر ہے''۔(۵)

کرشن چندر نے اس وقت بھی کشمیر کے حالات واقعات اور ان کے مسائل کی ترجمانی کی ہے جب کشمیر مشکل حالات سے گذر رہا تھا۔ ف اس کی عکاسی ''سڑک کے کنارے'' افسانے میں یوں ملتی ہے۔

> ''۔۔۔ہاں یہ میرا وہی جانا پہچانا کشمیر ہے جس کے بیٹوں نے ہزاروں مصیبتوں کے ہجوم کے ہوتے ہوئے بھی اپنی حسن کاری نہیں کھوئی۔ اپنے گیت نہیں کھوئے، اپنی ثقافت نہیں چھوڑی، زندہ رہنے کی آرزو اور محنت کرنے کی امنگ نہیں کھوئی۔ ان کے حوصلے دن بدن باعزم وپُر شباب نظر آتے ہیں''۔(۶)

اسی طرح عبدالقادر سروری نے اپنی کتاب ''کشمیر میں اردو'' میں کرشن چندر کے افسانوں میں کشمیر کے حالات پیش ہونے کا سبب یوں بیان کیا۔

> ''کرشن چندر کشمیر سے ایک اور طرح بھی وابستہ ہیں۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز بھی کشمیر سے ہوا اور ابتدائی کہانیاں اور ناول جو انہوں نے لکھے وہ کشمیر ہی کے پس

منظر میں لکھے گئے ہیں۔ تین افسانے ''ریمان''، جہلم میں ناؤ پر''، مصور کی موت اور ناول ''شکست''، کشمیر ہی کی زندگی سے متعلق ہیں۔''(۷)

یہی وجہ ہے کہ ان کی ابتدائی کہانیوں میں کشمیر کی ترجمانی اور کشمیری عناصر جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بالخصوص ''بالکونی'' اور آلوچے'' میں کشمیریت کو ابھارا گیا ہے۔ افسانہ بالکونی، یہاں کی خوبصورت جگہ گلمرگ میں واقع فردوس ہوٹل سے متعلق ہے۔

افسانہ کا مرکزی کردار دراصل اس ماحول کو تلاش کرنا چاہتا ہے جہاں لوگ امن وآشتی اور سکون سے جئیں۔ جہاں کوئی کسی کو نہ ستائے، جہاں صرف اخوت، اتحاد اور اتفاق ہو۔ مشینی دور نے آج کے انسان سے یہ سب کچھ چھین لیا ہے اور وہ آج اس کے شور شرابے سے تنگ آچکا ہے۔ لہذا وہ بالکونی کی طرح پُرسکون جگہ ڈھونڈنے میں لگا ہے۔ افسانہ نگار نے اس پُرسکون جگہ کے لیے کشمیر کے صحت افزا مقام گلمرگ کا انتخاب کیا ہے۔ جہاں بیرونِ ممالک سے آنے والے سیاحوں کو سکونِ قلب اور تسکین روح نصیب ہوتی ہے۔

کشمیر کے خوبصورت فضاؤں کے پس منظر میں دو حسین دھڑکتے ہوئے دل، ''چاند کو چھونے کی باتیں'' درد، غمنا کی فضا اور افسردگی کے ماحول میں شیاما، بگی اور گومتی حسین لڑکیاں جو کسی پردیسی کی بے وفائی کا شکار ہیں۔ ان افسانوں میں مظہر فطرت کو کرداروں کی سی حیثیت حاصل ہے جو ان کے افسانوں کو ہر حال کامیاب بنا دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی کہانی ''آلوچے''، کشمیر کی بدلتی صورت حال کی عکاسی کرتی ہے۔ مذکورہ کہانی کا مرکزی کردار جگ موہن ہے جو جنسی افعال کا بہت زیادہ شوقین ہوتا ہے اور اپنی چالاکی سے کسی بھی خوبصورت عورت کو اپنے ہوس کا شکار بناتا ہے۔ وہ کشمیر میں سیاح کی حیثیت سے داخل ہوکر یہاں کی ایک حسین عورت کو اپنے ہوس کا نشانہ بناتا ہے جو مفلوک الحال طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جگ موہن جب دوبارہ طویل مدت کے بعد جنسی بھوک مٹانے کے لیے کشمیر تشریف لاتا ہے تو یہاں کے حالات میں بڑی تبدیلی پاتا ہے ان حالات میں یہاں کی عورت اچھے اور بُرے میں تمیز کرنا جانتی ہے۔ اب وہ عزت نفس کی حفاظت کرنا جانتی ہے وہ کئی مجبوریوں کے باوجود بھی اپنی عزت کو بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے۔ جگموہن اس صورتحال میں اس پرانی

عورت کو پھر سے گناہ کرنے کی دعوت دیتا ہے تو وہ اس کو بطور تنبیہ اپنے کم سن بیٹے قادر کے ہاتھ رومال میں لپٹے ایک پھٹا پُرانا جوتا بھیجتی ہے۔

''قادر رومال کو جھلاتے ہوئے آرہا تھا۔ رومال بھرا ہوتھا۔ جگموہن کی نگاہوں میں پھول ہی پھول کھلتے گئے۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کشمیر کی دلہن اپنی نرگس آنکھوں سے شرما کر اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ قادر نے خیمے کے اندر آ کے بھرا ہوا رومال جگموہن کے سامنے رکھ دیا۔ جگموہن نے کانپتے ہاتھوں سے رومال کھولا۔ رومال میں کشمش نہیں تھی۔ اخروٹ بھی نہیں تھے۔ بادام بھی نہیں تھے۔ ایک پھٹا پُرانا گھسا ہوا جوتا تھا جس میں اس کا دس روپے کا نوٹ رکھا تھا۔ جگموہن کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے وہ پھٹا ہوا جوتا کھینچ کر اس کے منہ پر مارا ہو''۔(۸)

کشمیر کے پس منظر میں کرشن چند کے افسانے تخلیق کرنے کا اصل مقصد یہاں کی سیاسی، سماجی حالات، اقتصادی بدحالی، جاگیرداری، رسوم و روایات کے سائے میں جنم لینے والے جرائم اور عورت کے بے بسی و بے کسی کا پردہ ہٹانا تھا۔ ان کے افسانوں میں یہاں کے خوبصورت مناظر کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ انہوں نے کشمیر کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ کشمیر کے ماضی کو سمجھنے کے لیے جہاں تاریخ وجغرافیہ پڑھنے کی ضرورت ہے وہاں کرشن کی تخلیقات بھی اس سلسلے میں مدد ومعاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ کشمیر کی رعنائیوں کی منظر کشی جس انداز سے کرشن چندر نے کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

''منظر کشی میں کرشن چندر کا مقابلہ اردو کا کوئی نثر نگار نہیں کرسکتا۔ کسی ادیب یا شاعر نے کشمیر کے پہاڑوں، وادیوں، چشموں، ندیون، جھیلوں، مرغزاروں، قصبوں، دیہاتوں کی ایسی اچھی تصویریں نہ کھینچی ہوں گی۔ مناظر قدرت کرشن چندر کی نگاہ کو وسعت اور معیار عطا کرتے ہیں۔''(۹)

پروفیسر عبدالرشید خان

پروفیسر عبدالرشید خان پیشے سے محکمہ اعلیٰ تعلیم میں بحیثیت پروفیسر (اردو) کام کرتے ہیں۔ وہ تنقید اور تحقیق کے علاوہ افسانہ نگاری مین بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی کئی کہانیاں ملک کے موقر جرائد اور روزناموں میں شائع ہوچکی ہیں۔ ان کی اکثر کہانیوں کو مشہور اردو روزنامہ ''ہند سماچار'' میں اشاعت کی

جگہ مل گئی ہے۔ پروفیسر خان کی اکثر کہانیوں کا موضوع قومی یکجہتی اور حب الوطنی رہا ہے۔ان کا یقین ہے کہ جب تک ملک کے عوام یکجہتی اور حب الوطنی کی قدر و قیمت کی اہمیت اور افادیت نہیں سمجھیں گے، تب تک ملک کے طول وارض میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ان کے مطابق تمام انسانوں کو ایک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔لہٰذا ایک دوسرے کے ساتھ تفرق بازای یا امتیاز برتنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ پروفیسر خان نے بھی دیگر قلم کاروں کی طرح کشمیر کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشی اور تہذیبی معاملات کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ان کی کوشش ہے کہ انسان، انسان کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کرے نہ کہ ایک حیوان کی طرح۔ وہ اپنی کہانیوں میں مختلف مذاہب کے پیروکارون کے ساتھ دوستی رکھنے اور اپنے والدین اور بزرگوں کا احترام کرنے پر سخت زور دیتے ہیں۔''حویلی کے اندر''، ''حویلی کے باہر''، ''سرکٹی لاش''، ''نگہبان''، ''نیلوفر''، ''آوارہ''، ''روح''، ''مردے کا تحفہ''، ''فحاشہ''، ''ادھوری کہانی'' اور'' گلاب جامن'' وغیرہ ان کی مشہور کہانیاں ہیں۔ جو جالندھر سے شائع ہونے والے اردو اخبار''ہندسماچار'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر خان نے افسانوی ادب پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں''اردو افسانے میں جنسی نفسیات'' اور''ادب اور جنس'' بہت مشہور ہیں۔

☆☆☆

حواشی:

۱۔حامد کشمیری نمبر، محمد اشرف ٹاک، جے اینڈ کے اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز، شمارہ 4-7 ص559

۲۔ پریم ناتھ پردیسی۔ بجتے چراغ۔اظہارعقیدت، احتشام حُسین بروکار پریس سرینگر کشمیر 1955 ص4

۳۔جموں وکشمیر کے منتخب اردو افسانے، مرتب سلیم سالک میزان پبلیشر زبٹہ مالوسرینگر 2011 ص.33

۴۔ایضاً ص۔25

۵۔ پریم ناتھ در۔ چناروں کے سائے میں فنکار کلچرل آرگنائزیشن سری نگر، کشمیر 1991 ص85۔

۶۔'میرے دل کی جنت کشمیر ہے،' کرشن چندر شیرازہ جموں کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویج کرشن چندر نمبر، ص156

۷۔ایضاً

۸۔کشمیر میں اردو، دوسرا حصہ پروفیسر عبدالقادر سروری، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویج سرینگر

۹۔کرشن چندر اوران کے افسانے مرتبہ ڈاکٹر ظہر پرویز، ص712

☆☆☆